انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ بکل الاحزان انا الیہ راجعون

یا ایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی

بیا بہ مجلس شیخ الحدیث

مولانا عبدالقیوم حقانی،
رفیق مؤتمر المصنفین و استاذ دار العلوم حقانیہ
اکوڑہ خٹک ۔

صحبتے یار آخر شد

سراپا شفقت اور مجسم انکسار، دعاؤں کا مخزن اور مجاہدین کا پشتیبان

محدث جلیل استاذی و استاذ العلماء قائد شریعت شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب نور اللہ مرقدہ کے افادات، فیوض و برکات اور ارشادات "صحبتے با اہل حق" کا مضمون ہوا کرتے تھے۔ اب حضرت شیخ الحدیثؒ کی وہ معرفت و حکمت بھری گفتگو، محبت بھری ادائیں، دلفریب عنایتیں، مؤثر اور پُرمغز نصائح و ہدایتیں، خلوص بھری شفقتیں، وہ سراپا انکسار، وہ رأفت و رحمت کا پیکرِ مجسم، محبین و مخلصین کے ہجوم میں گھرے ہوئے "صحبتے با شیخ عبدالحقؒ" میں وہ کیف و سرور کی دلربا بہاریں وہ منبع علم و حلم، وہ پیکرِ جود و سخا، وہ دعاؤں کا مخزن، وہ غازیوں، شہیدوں اور مجاہدین کا پشتیبان، وہ شجاعت و عزیمت اور استقامت کا ہمالیہ، ۷ ستمبر کی ظہر کے بعد ہزار تلاش و جستجو کے بعد اس مادی اور فانی دنیا میں اب ہم آئندہ کبھی بھی ان کی مجلسِ عرفانی اور صحبتے روحانی میں حاضرِ خدمت نہیں ہو سکیں گے۔ ایسے ہی ایک صدمۂ جانکاہ پر مولانا سید سلیمان ندویؒ نے کہا تھا ؎

ہم سفر وادیٔ ہستی میں وہ دلبر نہ ہوا ۔۔۔ شمع اس راہ میں اس کا رخِ انور نہ ہوا
درد اُٹھ اُٹھ کے میرے دل میں ٹھہر جاتا ہے ۔۔۔ کیوں رگِ دل کی جگہ سینہ میں نشتر نہ ہوا
یہ تماشائے جہاں خواب ہے میں مانتا ہوں ۔۔۔ پر یہ کیوں خواب میرے واسطے شب بھر نہ ہوا

دل کو کیوں موردِ احساس بنایا یارب ؛ حسرت اس کی ہے کہ یہ دل ہُوا پتھر نہ ہُوا
حیف اس خون کی قسمت جو مژہ سے ٹپکے ؛ قطرۂ اشک ہُوا بادۂ احمر نہ ہُوا
دل میں بیٹھا ہو کوئی اس سے تسلی تو نہیں ؛ پردۂ دل میں جو ہے برسرِ منظر نہ ہُوا

کیا بتاؤں؟ اور کیسے بتایا جاسکتا ہے کہ حضرت قائدِ شریعتؒ کے انتقال کے بعد دنیا پہ کیا گزری؟ دل پہ کیا گزری؟ اہلِ دل پہ کیا گزری؟ عاشقینِ امّت پہ کیا گزری؟ جب حضرت شیخؒ پر اجلِ مسمّٰی اور تقدیر کا فیصلہ غالب آگیا اس وقت کی آپ بیتی اور جگ بیتی اس وقت کا نقشہ وکیفیت اس وقت کی بے چینی واضطراب اور حزن و ملال کی دل گزار کیفیتیں کیسے بیان کی جاسکتی ہیں؟ یہ کوئی تحریر کی بات تو نہیں، تقریر کی بات بھی نہیں۔ یہ تو دلوں کی کیفیت ہے حروف اور نقوش سے بظاہر کوئی قلمی تصویر بن بھی جائے تو اس میں کیف وسرور کی مستی، عشق ومحبت کا ولولہ اور خلوص و للہیت اور واقعیت کی رُوح کون ڈال سکے گا اور کسے تاب ہے کہ وہ اس کی جرأت بھی کرسکے ؎

گر مصوّر صورتِ آں دلستاں خواہد کشید
حیرتے دارم کہ نازش را چساں خواہد کشید

مسجد شیخ الحدیثؒ (قدیم دارالعلوم حقانیہ) ہو یا دارالعلوم حقانیہ کا دارالحدیث اور دفترِ اہتمام، پاکستان کی پارلیمنٹ ہو یا ملکی سیاست کا خارزار، تحریک نظامِ مصطفٰےؐ ہو یا تحریکِ نفاذِ شریعت کا پلیٹ فارم، تحریکِ ختم نبوت کے معرکہ ہائے بلاخیز ہوں یا جہادِ افغانستان کے سنگلاخ مراحل دیوانگانِ شیخ عبدالحقؒ اور طلبگارانِ "صحبتے با اہلِ حق" "چند ساعتے با اولیاء" کی تمنا لے کر نکلتے تو حضرت شیخؒ کو کسی نہ کسی محاذ پر موجود پاتے، شرفِ دید سے مشرف ہوتے، مُرادوں کی جھولیاں بھرتے، دعاؤں کے تحائف وصول کرتے، قلب میں نورِ ایمان کی بہاریں اور شوق ومحبت کے گلزار لے کر پھر آئندہ کے اشتیاقِ دید سے معمور اور بامیدِ ملاقات رخصت ہوجاتے۔ رخصت اور آئندہ کے شوقِ وصال کی یہ کیفیتیں، تحریر والفاظ کی تنگ دامانیوں میں کب ڈھالی جاسکتی ہیں ؎

دل پہ گزری جو واردات نہ پوچھ
ان کی نظروں کی کوئی بات نہ پوچھ

احقر خود بعد العصر حضرت اقدسؒ کی بارگاہِ علم وفضل میں کبھی حقائق السنن کے مسودات لے کر کبھی ذاتی خطوط کے جوابات لکھ کر، کبھی شوقِ دید، ذوقِ استفادہ اور اشتیاقِ ملاقات کے جذبات لے کر حاضرِ خدمت ہوتا۔ دن بھر کی تھکن، ہمہ وقتی کام، ذہنی اور فکری مشقت، بدن کے تکاسل، نتیجۃً طبعی پژمردگی، غرض ازدیادِ کار کی وجہ سے چُور چُور ہوتا۔ مگر جب ایک محبت بھرا تبسم اور ایک نیم باز نگاہِ شفقت حاصل ہوجاتی تو یوں محسوس ہوتا گویا نئی زندگی مل گئی ہے یا تنِ مردہ میں جان آگئی ہے ؎

تیری نوازشِ پنہاں کا لطف کیا جانے
وہ دل جو تیری نگاہوں کا پائمال نہیں

ڈانٹ ڈپٹ، باز پُرس، خوردہ گیری اور غلطیوں پر انتباہ کے بجائے سراپا تشکر و امتنان اور بات بات پر ممنونیت کا اظہار ہوتا۔ ضعف وعلالت، پیرانہ سالی، عوارض اور ہجومِ امراض کے باوجود امالیٔ ترمذی پر توجہ، مسجد کی چٹائی پر گھنٹوں اسے سننے کے لیے بیٹھے رہتے۔ اصلاح، تجویز و ترمیم اور حذف واضافہ میں فکری انہماک اور ہمت واستقامت اور عزیمت سے کام لیتے۔ یہ دیکھ کر ہمیں اپنی جوانی پر ندامت ہوتی، پست حوصلے جوان ہوتے، بے ہمتی کافور ہوتی، فکری

الجھاؤ ذہنی تعب اور جسمانی تکان مرتفع ہو جاتا۔ جب نمازِ مغرب حضرت شیخؒ کی معیت میں پڑھ کر مجلسِ شیخؒ سے دارالعلوم واپسی ہوتی تو ایسا محسوس ہوتا گویا کسی نے طاقت کا ٹیکہ اور فرحت و انبساط کا انجکشن لگا دیا ہے ؎

ہر چند پیر و خستہ و دل ناتواں شدم
ہر گہ نظر بروئے تو کردم جواں شدم

واقف کار حضرات، حضرت شیخؒ کے خدام اور قریبی مخلصین و احباب دارالعلوم کے اساتذہ و طلبہ، جہادِ افغانستان کے محاذِ جنگ کے جرنیل اور مجاہدین بھی عموماً عصر کے مبارک وقت کی تاڑ میں رہتے اور عملاً "صحبتے با اہلِ حق" سے مستفید اور لطف اندوز ہوتے۔ دشمن سے مقاتلہ، عزیمت اور شہادت کے عزائم، جہاد کے تسلسل، استقامت کے ارادے، موقف میں پختگی، شوقِ جہاد کے جذبات اور ایمان آفریں کیفیات سے مسرور ہوتے۔ اب انہیں یہ اضطراب ہے کہ روسی دشمن اور اپنے سے کئی گنا بڑھ کر ایک طاقت ور عفریت کے مقابلہ میں ہمیں استقامت اور عزیمت کا درس کون دے گا؟ انابت الی اللہ، پرخلوص توجہ اور مستجاب دعاؤں سے اب ہماری پشت پناہی اور ڈھارس کون بندھوائے گا۔

حضرت شیخؒ بیمار ہوئے تو محبین و مخلصین، معتقدین و زائرین، مشائخ، علماء، فضلاء اور عامۃ المسلمین، افغان قائدین، محاذِ جنگ کے جرنیل اور مجاہدین کا حضرت شیخؒ سے ایک لمحہ صحبت، ایک نظرِ شفقت، ایک نگاہِ شوق، اور ایک جھلک ذوقِ دید کی تحصیل اور تکمیل کے لیے خیبر ہسپتال پشاور کے بالائی احاطہ کمرہ نمبر ۳ کی طرف ایک تانتا بندھ گیا۔ اُدھر سے بھی معاملہ ایسا ہی تھا کوئی بندش نہیں، کوئی روک ٹوک نہیں، ڈاکٹروں کے ہزار منع کرنے کے باوجود دور دراز سے عیادت کے لیے آنے والے مخلصین و محبین اور عامۃ المسلمین کی دل شکنی گوارا نہیں۔ سب کو ملاقات کی اجازت ہے۔ جو چاہے جب چاہے وقت بے وقت اپنے قلب اور ذوقِ عشق کی انگیخت پر کمرہ ۳ میں پہنچ جائے۔ شدید علالت، عوارض و امراض، ضعف اور شدتِ تکلیف کے باوجود حضرت شیخ سے ملاقات ہوتی تو یوں محسوس ہوتا گویا حضرتؒ آنے والوں کے لیے پہلے سے چشم براہ تھے۔

دھیمی، سلیس اور نستعلیقی گفتگو، محبت بھری ادائیں، شفقت اور پیار سے معمور نگاہیں، پرنور ارشادات اور فیوض و برکات اور سادہ و بے تکلف اطوار اور عادات سے یہ ترشح ہوتا کہ حضرت شیخ الحدیثؒ اپنے چاہنے والوں کے مطلوب نہیں طالب ہیں، محبوب نہیں محب ہیں، مخدوم نہیں خادم ہیں۔ مراد نہیں مرید ہیں اور کسی بھی دیکھنے والے کو یہ تاثر لینے میں قدرے بھی تامل کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ حضرت شیخؒ شدید بیماری کی تکالیف کے باوجود اپنے چاہنے والوں پر دل و جان سے نچھاور ہو رہے ہیں۔ صحبتِ شیخؒ کی ایک ایک ادا، نگاہِ شفقت کا سحر انگیز التفات، اس محبت اور حکمت بھرے لہجے کا محبوبانہ اتار چڑھاؤ، کس پہلو کو لیا جائے اور کیا بتایا جائے۔

ع بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

دارالعلوم کے اساتذہ، طلبہ اور خدام جب ہسپتال میں حاضرِ خدمت ہوتے تو ارشاد فرماتے۔ "اپنے کام میں لگے رہو۔ دارالعلوم کا کام اور اس کی خدمت یہی سب کچھ ہے۔" ڈھیروں دعاؤں سے نوازتے۔ گفتگو نرم، متانت اور محبت بھرے لہجے میں ہوتی۔ حضرت یہ چاہتے تھے کہ دارالعلوم کے اساتذہ اور طلبہ ہسپتال میں کم آئیں۔ آنے جانے اور بسوں اور ویگنوں میں اترنے بیٹھنے اور سفر کی زحمت برداشت نہ کریں اور اگر کبھی لامحالہ آنا بھی چاہیں تو ایسے اوقات میں تشریف لائیں کہ دارالعلوم کے کام اور اس کے تعلیمی نظام میں حرج نہ ہو۔ حضرتؒ یہ بات ان سے کہنا بھی چاہتے تھے مگر اشارۃً و کنایۃً، صراحتاً کہنے سے اس لیے اجتناب فرماتے رہے کہ ان کو یہ اندیشہ رہتا تھا کہ میرے اس کہنے سے کہیں ان کے دل نہ ٹوٹنے پائیں۔

محرم الحرام ۱۴۰۹ھ کی چوبیسویں تاریخ تھی۔ ظہر کی نماز دارالعلوم میں پڑھی۔ برادرم مولانا قاری محمد رمضان صاحب

کو ساتھ لیا۔ عصر کی نماز جی ٹی ایس اڈہ پشاور کی جامع مسجد میں ادا کی اور پون گھنٹہ بعد ہم لوگ خیبر ہسپتال پشاور کے مین دروازے پر پہنچ گئے۔ گیٹ بند تھے۔ خلافِ معمول باوردی پولیس لوگوں کو اندر جانے سے روک رہی تھی۔ چند لمحوں میں لوگوں کا گیٹ پر ایک جمِ غفیر جمع ہو گیا ہمیں بھی روک دیا گیا۔ کسی صاحب نے بتایا کہ صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ جناب ریٹائرڈ جنرل فضل حق صاحب شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ کی عیادت کے لیے آرہے ہیں۔ ان کی آمد پر یہ حفاظتی تدابیر اختیار کیے جارہے ہیں۔ ہم ایک طرف کھڑے ہو گئے تو دیکھا کہ ہسپتال کے دروازے پر علماء، طلباء، افغان مجاہدین متشرع اور دین دار لوگوں کی بھی ایک بھیڑ جمع ہو گئی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ لوگ بھی ہماری طرح حضرت شیخؒ کی عیادت اور ملاقات کے لیے اندر جانا چاہتے ہیں۔ وزیر اعلیٰ کوئی ایک گھنٹہ ہسپتال میں رہنے کے بعد جب واپس ہوئے تو لوگوں کو اندر جانے کی اجازت مل گئی۔ اس سے قبل گذشتہ سال جب سی ایم ایچ ہسپتال راولپنڈی میں احقر حضرت شیخؒ کی عیادت کے لیے حاضرِ خدمت ہوا تھا تو میری حاضری سے چند لمحے قبل اُس وقت کے وزیر اعظم جناب محمد خان جونیجو حضرت شیخؒ کی عیادت کر کے واپس جارہے تھے۔ وہاں بھی یہی صورتحال پیش آئی تھی۔ یہ بھی ایک گونہ اسی نوعیت کا گویا دوسرا چانس تھا۔ بہرحال ہم لوگ بھی مختلف گیلریوں سے ہوتے ہوئے حضرت اقدسؒ کی قیامگاہ کمرہ نمبر ۳ میں پہنچ گئے۔ حضرت شیخؒ کے محبین مخلصین کی ایک جماعت بنوں سے آئے ہوئے علماء اور افغانستان کے محاذِ جنگ سے آتے ہوئے ایک کمانڈان تحریک جنود اللہ عالمی کے امیر مولوی بادشاہ گل حقانی اپنی جماعتِ مجاہدین کے ہمراہ ہمارے ساتھ اسی کمرہ میں حضرت شیخؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔

*

ہم لوگ کمرہ میں داخل ہوئے تو سامنے چہرۂ اقدس پر نظر پڑی۔ ضعف و علالت اور بیماری کے باوجود معمول کی نورانی صورت کی رونق میں اضافہ تھا۔ احقر بار بار جب حضرتؒ دوسری طرف متوجہ ہوتے، اشتیاق و محبت کے جذبات سے بے قرار نظروں سے جی بھر کر دیکھنے کی کوشش کرتا رہا۔ ہر بار یوں محسوس ہوتا کہ ایک فرشتہ ہے جو آسمان سے اُترا آیا ہے۔ اپنی طبعی افتاد، اخلاق و تواضع اور ایک عظیم علمی و دینی سیاسی و ملی اور روحانی عظمت و مقام کے باوصف عجز و انکسار کی وجہ سے پہلے سے کئی گن بڑھ کر محبوبیت اور شرافت ان کی پیشانی سے چھلکتی بلکہ اُبلتی نظر آتی تھی۔

احقر نے حضرت شیخؒ سے اضیاف کا تعارف کرایا۔ افغان مجاہدین کے وفد کے سربراہ اور تحریک جنود اللہ عالمی کے امیر مولوی بادشاہ گل حقانی نے عرض کیا۔ حضرت! آپ کی دعائیں، آپ کی توجہ اور آپ کا وجودِ مسعود ہمارے لیے پناہ گاہ ہے۔ ہم کل سے محاذِ جنگ پر جارہے ہیں۔ گو کہ آپ کی علالت اور شدتِ تکلیف کا ہمیں احساس بھی ہے۔ ہم صرف دُعا کے لیے حاضرِ خدمت ہوئے ہیں۔ افغان مجاہدین کا نام سُنتے ہی حضرت شیخ الحدیثؒ سنبھل گئے۔ محاذِ جنگ کی رپورٹ دریافت فرمائی۔ تازہ ترین صورتِ حال پر بحث فرماتے رہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ آپ حضرات جو عملاً جہادِ افغانستان میں رُوسی دشمن سے برسرِ پیکار ہیں۔ یہ آپ کی شرافت، نجابت، کامیابی اور مقبولیت عنداللہ کی دلیل ہے۔ مجاہدین کی درخواست پر بڑے الحاح اور عجز و انکسار کے ساتھ ان کے لیے دُعا کی۔ آج بھی حسبِ معمول جذبۂ جہاد کا نور ان کی ہر ادا اور ہر پہلو سے ظاہر ہوتا تھا۔ تحریر اس کی متحمل نہیں ورنہ اس تصور سے حضرت شیخؒ کے علمی و دینی اور قومی و ملکی خدمات کی طرح آٹھ دس سال سے جہادِ افغانستان کے پہلو سے بھی ان کی زندگی ایک کھلے ہوئے صحیفے کی طرح سامنے آگئی ہے جس کا ہر صفحہ نورانی اور ہر ورق زرّین ہے۔

مجاہدین کو رخصت کرنے کے لیے چارپائی سے اٹھنا چاہا مگر ضعف و علالت کے پیشِ نظر مجاہدین کے اصرار پر بیٹھے بیٹھے سب سے معانقہ اور مصافحہ کرتے رہے اور اَستَودِعُ اللہَ الخ مسنون دعا کے ساتھ سب کو رخصت کرتے رہے۔

بنوں سے دارالعلوم حقانیہ کے قدیم فضلاء بیمار پرسی کے لیے تشریف لائے تھے۔ انہیں بھی حضرت شیخؒ نے بڑے

تلطف، شفقت، محبتوں اور ڈھیروں دُعاؤں سے نوازا وہ بھی رخصت ہوگئے تو احقر حضرت شیخؒ کے ساتھ ان کی چارپائی کے پائنتی بیٹھ کر ان کے استفسار پر دارالعلوم کے حالات، اسباق، اساتذۂ کرام کے تسلیمات، طلباء دارالعلوم کے سہ ماہی امتحانات کی تیاریاں اور امتحانی کمیٹی کی کارکردگی کی اجمالی رپورٹ سُنائی۔ حضرت بڑے متوجہ رہے پھر از خود دریافت فرمایا کہ کل ضلع صوابی کا دورہ کیسے رہا؟ دراصل کل کی بات یہ تھی کہ ضلع صوابی کے علماء اور جمعیۃ علماءِ اسلام کے کارکنوں نے قائد جمعیۃ حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہٗ کے لیے ضلع صوابی میں علماء کی میٹنگ رکھی تھی اور صوابی سے ۲۰-۲۵ میل آگے گدون میں جلسۂ عام کا پروگرام تھا۔ احقر نے تفصیل سے صورتِ حال عرض کردی۔ لوگوں کا دین سے لگاؤ، والہانہ استقبال، جمعیۃ کے موقف سے وابستگی، نفاذِ شریعت اور غلبۂ اسلام کے لیے مولانا سمیع الحق سے تعاون کے جذبات تفصیل سے عرض کیے تو بہت مسرور ہوئے۔ چہرۂ اقدس پر بشاشت کے آثار نمایاں تھے۔ پھر ارشاد فرمایا۔ کس کس نے تقریریں کیں اور کیا کیا کہا؟ احقر نے اپنی یادداشت کی حد تک سب حضرات کی تقریروں کے خلاصے سنا دیے تو مسکراتے ہوئے پھر ارشاد فرمایا۔ آپ کی تقریر کا موضوع اور مضمون کیا تھا؟ کیا عرض کرتا جھجک کر رہ گیا۔ براہِ راست حضرت شیخ الحدیثؒ سے دریافت کرنے کی جرأت تو نہ ہو سکی۔ احقر نے محمد یوسف شاہ سے 'جو وزیر اعلیٰ کی حضرت شیخؒ کی خدمت میں حاضری کے وقت موجود تھے' دریافت کیا۔ شاہ جی! وزیر اعلیٰ صاحب تشریف لائے تھے؟ عیادت کی ہوگی اور کوئی خاص بات بھی ہوئی کہ نہیں؟ وہ کہنے لگے۔ ہاں وزیر اعلیٰ صاحب آئے تو انہوں نے حضرت سے بڑی معذرت کی۔ حضرت شیخؒ کے ساتھ چارپائی پر پائنتی پر بیٹھ گئے اور کہنے لگے حضرت! خدا گواہ ہے مجھے آپ کی بیماری اور ہسپتال میں داخلے کا کوئی علم نہیں تھا۔ آج اتفاقاً مولانا سمیع الحق صاحب سے ملاقات ہوئی تو میں نے آپ کی صحت کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ حضرت بیمار ہیں اور ہسپتال میں ہیں تو مجھے بہت قلق ہوا۔ آپ سے میری جو عقیدت، محبت اور اعتماد ہے بغیر کسی تصنع اور ریا کے عرض کرتا ہوں کہ اس کے پیشِ نظر چاہیے تھا کہ میں اب تک کئی بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوتا۔ چونکہ مجھے علم نہیں تھا اس لیے میں عفو چاہتا ہوں تو حضرت شیخ الحدیثؒ نے ان سے فرمایا۔۔۔۔

شاہ جی کی یہ بات ابھی جاری تھی کہ حضرت شیخ الحدیثؒ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے آج وزیر اعلیٰ کی آمد کے موقع پر ان سے صاف کہہ دیا کہ مرحوم صدر ضیاء الحق ملک میں نفاذِ شریعت کا مقصد حاصل نہ کر سکے مگر اب یہ ساری ذمہ داری ان کے قریبی رفقاء پر بالخصوص آپ پر آ گئی ہے کہ آپ ان کے معتمد اور قریب ترین ساتھی تھے۔ آپ نے اپنے نام کی بھی لاج رکھنی ہوگی کہ تمہارا نام "فضل حق" ہے۔ اس کے معنی اور مفہوم بھی قابلِ لحاظ ہے۔ اپنی ترجیحات میں سب سے پہلا کام نفاذِ شریعت کا بناؤ۔ دوسری بات جو وقت کی اہم ضرورت اور قومی، ملکی اور ملی اعتبار سے بہت اہم ہے وہ جہادِ افغانستان کی بھرپور حمایت ہے۔ صوبہ سرحد اس اعتبار سے ایک نازک اور حساس مقام پر ہے۔ آپ نے افغان مجاہدین کی سرپرستی، تعاون اور ان کی حمایت کا بھی پورا پورا خیال رکھنا ہوگا۔ جب آپ ان دونوں باتوں کو اصولی طور پر اولیت دیں گے تو خداوند تعالیٰ کی مدد بھی تمہارے ساتھ شاملِ حال ہوگی۔

نمازِ مغرب کا وقت ہو چکا تھا اور دو ایک منٹ اس پر مزید بھی گذر گئے تھے۔ حضرتِ اقدس کے ارشادات میں در آنے کی جرأت کون کر سکتا تھا۔ جب بات مکمل فرمالی تو بتایا گیا کہ حضرت! نماز کا وقت ہو چکا ہے اور دو منٹ زائد بھی گزر چکے ہیں۔ یکا یک چونک پڑے، سنبھل گئے، نمازِ باجماعت کا حکم فرمایا۔ احقر نے تکبیر کہی۔ مولانا قاری محمد رمضان صاحب نے امامت کی۔ حضرت شیخؒ چارپائی پر بیٹھ کر نماز میں شریک رہے۔ ہم نے ان کے محاذات میں نماز کی صف بنالی تھی۔

میرا کاندھا حضرت شیخؒ کے کاندھے کے ساتھ ملا ہوا تھا اور بار بار نظر وہی تھا کہ ؏ ولا یسما یوما بدارۃ جلجل

سنتیں پڑھ لی گئیں تو دروازہ پر دستک ہوئی۔ خود حضرت اقدس متوجہ ہوئے، ارشاد فرمایا۔ دیکھو مہمان ہوں گے۔ دروازہ کھولا گیا تو ڈاکٹروں کا ایک وفد تھا، ہر ایک ملتا اور اپنا اپنا تعارف کراتا رہا۔ آخر میں سب نے عرض کیا۔ حضرت ہمیں آپ کی علالت کا اس سے پہلے علم نہیں تھا۔ آج معلوم ہوا تو حاضر خدمت ہو گئے ہیں۔ ہمارے لائق کوئی خدمت اور کسی قسم کا کار لائق ہو، ہم بہر صورت تیار اور دعاؤں کے خواستگار ہیں۔ حضرت شیخؒ نے انہیں جوانی میں عمل صالح کی ترغیب دی اور ڈھیروں دعاؤں سے نوازا۔ جب وہ رخصت ہونے تو ہمارے لیے محمد یوسف شاہ سے چائے کا کہا۔ جب تک ہم چائے سے فارغ نہیں ہوئے تھے بار بار دریافت فرماتے رہے کہ انہیں چائے دی گئی ہے یا نہیں اور جب رخصت ہونے لگے کہ انہیں چائے دی گئی ہے یا نہیں اور جب رخصت ہونے لگے تو بڑی توجہ اور انہماک کے ساتھ دعا فرمائی۔ حاضر دماغی، فکری قوتوں کی بیداری اور کمال شفقت و عنایت اس درجہ کہ میرے بعض مشاغل کا نام لے لے کر ان کی تکمیل کی دعا فرماتے رہے، معانقہ کرتے اور ہمارے کمرہ کے دروازہ سے نکلتے وقت تک زبان مبارک پر دعاؤں کا ورد تھا کہ وہ سراپا مجسمۂ دعا ہی تھے ؎

عمر گذری ہے تیرے دربار میں آتے ہوئے
گڑگڑاتے مانگتے اور ہاتھ پھیلاتے ہوئے

واحسرتاہ! کیا خبر کہ اس کے بعد پھر حین حیات حضرت شیخؒ کی زیارت و ملاقات کا موقع نہ مل سکے گا بلکہ بیماری بھی ظفرتؒ کی عام معمول کی بیماری تھی۔ یہ تو وہم و گمان اور تصور میں بھی نہیں آتا تھا کہ ہماری اب کے بار حضرت شیخؒ کی خدمت میں گویا آخری بار کی حاضری ہے اور "صحبتے با اہل حق" کا ایک عظیم باب یہاں ختم ہو رہا ہے ؎

حیف در چشم زدن، صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر نہ دیدم کہ بہار آخر شد

دارالعلوم میں عصر کی نماز پڑھ کر چھ سال سے "مسجد شیخ الحدیثؒ" میں "صحبتے با اہل حق" کی سعادتوں سے بہرہ ور ہونے کی طبیعت بن گئی تھی یا صبح گیارہ بجے دفتر اہتمام میں حضرت شیخؒ کے ذاتی خطوط کے جوابات لکھ کر ان کی خدمت میں پیش کرتا تو اس طرح دل بے تاب کو نظر شفقت اور نگاہ دلنواز سے قرار حاصل ہو جایا کرتا تھا۔ یہ عادت بھی۔ یہ روزانہ کا معمول تھا اور یہی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی .... اور اب بھی ہے مگر پہلے سے مختلف، ۲ر ستمبر سے پہلے جب صحبت شیخؒ میں حاضری کے لیے قدم اٹھتے تھے تو کتنا اشتیاق ہوتا تھا۔ کیا قوی اور کامل یقین کہ دکان معرفت اور مکتب علم و عرفان کھلا ہوا ہے، مطب روحانی گرم ہے۔ ہم بیماروں کے جاتے اور پہنچتے ہی مرہم شفا ہاتھ میں ہوگا۔ ہر درد کی دوا، ہر فکر و غم سے تشفی، ہر رنج و اندوہ سے نجات کا سامان ——— مگر اب کی حاضری کی رت بدل ہوئی ہے۔ آج قسمت پلٹی ہوئی ہے وہ دکان معرفت اور مکتب علم و عرفاں بند، مطب روحانی اجاڑ، شفا کے بجائے حسرت شفا، دوا کی جگہ دوا کی یاد اور مکین کے عوض صرف مکان، خوشگوار یادوں، صحبتے با اہل حق کے افادات اور ملفوظات کا محفوظ رہ جانا بھی اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔

لہ "صحبتے با اہل حق" کے عنوان سے اب تک کے شائع شدہ مسودات کو کتابی ترتیب دے کر مستقل کتاب کی صورت میں شائع کرنے کے پیش نظر کتابت کے مراحل مکمل کر کے قریبی ایام میں منظر عام پر آچکی ہے۔
علاوہ ازیں حضرت شیخؒ کے مختلف مجالس کے افادات جو وقتاً فوقتاً نوٹ ہوتے رہے اسی عنوان کے تحت آئندہ بھی الحق میں شائع ہوتے رہیں گے انشاءاللہ۔

اور اب گذشتہ صحبتوں کی حسرتیں مٹانے، پرانی عادت نبھانے اور تسکینِ قلب کا سامان بنانے کے لیے حاضری ہوتی ہے تو مزار پہ، اور مزار؟ آہ مزار! نہ کوئی بلند گنبد، نہ کوئی کلس وارقبہ، نہ چارداری نہ آستانہ، نہ جنگلہ نہ کٹہرا، نہ پھول نہ چادر، صدر مملکت جناب غلام اسحٰق خان، بعض گورنروں، مرکزی اور صوبائی وزیروں، بعض علاقائی، ملکی اور قومی تنظیموں کی طرف سے اعترافِ خدمات اور قومی اعزاز کے طور پر جو پھولوں کی چادریں چڑھا بھی دی گئی تھیں تو وہ بھی مولانا سمیع الحق نے اُتروا دیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّت اور صحابہ کرام رض کے تعامل میں اس کا ثبوت نہیں۔

بس ایک درمیانی درجے کی وسعت کا قبرستان، جانبِ شمال میں تقریباً ڈھائی سو طلبہ کے حفظ و تجوید کی پُرفضا اور پُرانوار عمارت، تقریباً وسطِ قبرستان میں معمولی سے رقبہ پر ایک سادہ سی قبر اور وہی اللہ کے اس شیر کی آرام گاہ، نہ سنگ مرمر نہ کمرہ نہ چھت صرف آسمان کی کھلی ہوئی چھت کے نیچے ایک نیچی سی کچی تربت[1] سادگی کی تصویر اور صاحبِ قبر کی بےنفسی کا آئینہ، نہ لوح نہ کتبہ، چند قدم کے فاصلہ پر جانب مشرق میں حضرت شیخ رح کی رفیقۂ حیات آرام فرما ہیں اور جانبِ مغرب میں دارالعلوم کے بےلوث خادم، حضرت شیخ رح کی زندگی میں ان کے بزم و رزم کے رفیق با اختصاص دارالعلوم کے مرحوم ناظم اعلیٰ، مولانا سلطان محمود، دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے قدیم ارکان جناب الحاج غلام محمد مرحوم، جناب الحاج حافظ نور بادشاہ مرحوم، پیشوائی کے شوق میں پہلے ہی سے پہنچے ہوئے۔ سادگی اور بےکسی میں حضرت رح خود کو اپنے توسلین سے پیچھے رکھتے تھے۔ اب کی ان حاضریوں میں تصور کی آنکھ کیا کیا دیکھتی ہے۔ تخیل کے کانوں میں آوازیں آتی ہیں۔ کوئی کہے بھی تو کس زبان سے

ع این حدیثے را بیان دیگر است

اپنے اکابر اساتذہ اور مشائخ سے بارہا امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی رح، قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی رح، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رح، محدثِ جلیل علامہ انور شاہ کشمیری رح، شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنی رح، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رح، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رح، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رح، شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رح کی آخری آرام گاہوں پر حاضری کے وقت وہاں کے حالات اور کیفیات سُنتے تھے بس کہنا چاہیئے کہ یہاں بعینہٖ وہی دیکھنے میں آئے۔ وہی نقشہ یہاں بھی ہو بہو موجود۔ وہی سوزش، وہی شورش، وہی سکینت، وہی ٹھنڈک، وہی ہیبت وہی جلال وہی انس اور وہی جمال۔

اور اب جب حاضری ہوتی ہے تو دل کو نہ ختم ہونے والی داستان مسلسل ستاتی رہتی ہے۔ یوں آنا ہوتا تھا، یہاں بیٹھنا ہوتا تھا، یہ ارشادات ہوتے تھے۔ اس طرح کی شفقتیں ہوتی تھیں۔ کیا کیا سُننے میں اور کیا کیا دیکھنے میں آتا تھا۔

آہ! تو کیا تیرا بندہ بھی فانی تھا؟ بےشک موت و فنا تو اس نامور خادم کے نامور آقا تک کے لیے مقدر کر دی گئی تھی۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (ال عمران ۱۴۴) — اور محمد تو بس ایک رسول ہی ہیں۔ ان سے قبل اور بھی رسول گذر چکے ہیں۔

یہ ایک آیت امت کی تسلی اور تعزیت کی کیسی پوری دُنیا کی دُنیا اپنے اندر آباد رکھتی ہے۔

---

[1] گویا حضرت شیخ رح کی قبر بھی وعظ و نصیحت ہے اور بعد از مرگ بھی حضرت رح یہ دینی مسئلہ بتلا رہے ہیں ؎

کون کہتا ہے یہاں پھول چڑھاتے جانا — کون کہتا ہے یہاں شمع جلاتے جانا
سر اغلاگ سے اے ناز سے جلنے والے — میری تربت پہ ذرا ہاتھ اٹھاتے جانا